हिन्दुस्तानी प्रचार सभा
हिन्दुस्तानी प्रचार सभा

احتجاج نمبر

ہندُستانی زبان

हिन्दुस्तानी ज़बान

سال : 6 شمارہ : 3 ممبئی جولائی-ستمبر 2020 صفحات : 84 قیمت : 70 ₹

Scanned by CamScanner

हिन्दुस्तानी ज़बान
जुलाई-सितंबर 2020
वर्ष 6 अंक 3

ہندُستانی زبان
جولائی۔ ستمبر ۲۰۲۰ء
سال: ۶ شمارہ : ۳
ISSN 0378-3928
Listed in UGC-CARE List

شہر آشوب اسلام

علامہ شبلی نعمانی
پیدائش: ۱۸۵۷ء، وفات: ۱۹۱۴ء

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغِ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک

قبائے سلطنت کے گر فلک نے کردئے پرزے
فضائے آسمانی میں اڑیں گی دھجیاں کب تک

یہ سب ہیں رقصِ بسمل کا تماشا دیکھنے والے
یہ سیر ان کو دکھائے گا شہید نیم جاں کب تک

یہ وہ ہیں نالۂ مظلوم کی لے جن کو بھاتی ہے
یہ راگ ان کو سنائے گا یتیم ناتواں کب تک

کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو
یہ ظلم آرائیاں تا کے یہ حشر انگیزیاں کب تک

یہ جوش انگیزیِ طوفان بیدادو بلا تا کے؟
یہ لطف اندوزیِ ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک

یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہوگا اس کا امتحاں کب تک

یہ مانا گرمیِ محفل کے ساماں چاہئیں تم کو؟
دکھائیں ہم تمھیں ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک

یہ مانا قصۂ غم سے تمھارا جی بہلتا ہے
سنائیں تم کو اپنے دردِ دل کی داستاں کب تک

یہ مانا تم کو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا
ہم اپنے خون سے سینچیں تمھاری کھیتیاں کب تک

سمجھ کر یہ کہ دھندلے سے نشانِ رفتگاں ہیں ہم
مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشاں کب تک

بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراقِ اسلامی
چلیں گی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک

کہیں اڑکر نہ دامانِ حرم کو بھی یہ چھو آئے
غبارِ کفر کی یہ بے محابا شوخیاں کب تک

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں
کہ اب امن و امانِ شام و نجد و قیرواں کب تک

Publisher and Printer Shri Feroze N. Patch in the editorship of Sanjiv Nigam printed "Hindustani Zaban" magazine at Fortune Prints 'N' Bind PVT LTD, 211, 212, 213, 235 Pragati Industrial, Estate, N.M. Joshi Marg, (Delisle Road), Lower Parel (East), Mumbai-400011 and published at Mahatma Gandhi Memorial Research Centre, Mahatma Gandhi Building, 7 ,Netaji Subhash Road, Mumbai-400002.

پرنٹر و پبلشر جناب فیروز این پیچ، مالک ہندستانی پرچار سبھا نے سنجیو نگم کے زیرِ ادارت فارچون پرنٹ 'این' بائنڈ پرائیویٹ لمیٹڈ، ۲۳۵، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱ پرگتی انڈسٹریل، اسٹیٹ، این، ایم، جوشی مارگ، (ڈیلائل روڈ)، لوور پریل (مشرق)، ممبئی۔ ۴۰۰۰۱۱، سے چھپواکر ہندستانی پرچار سبھا، مہاتما گاندھی میموریل بلڈنگ، ۷، نیتاجی سبھاش روڈ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۲ سے شائع کیا۔

RNI No. MAHURD/2015/66804

Scanned by CamScanner

اردو ادب میں احتجاج کی روایت

ڈاکٹر قاضی نوید

(صدر شعبۂ اردو، مولانا آزاد کالج آف آرٹس، سائنس اینڈ کامرس، ڈاکٹر رفیق زکریا کیمپس، اورنگ آباد)

قاضی نوید معروف شاعر جے پی سعید صاحب مرحوم کے فرزند ہیں۔ ان کے پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان ہے ''حمایت علی شاعر: حیات اور شاعری''۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، علمی، ادبی اور تعلیمی سرگرمیوں میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں، رابطہ: 9860839355 +91

Email: drquazinaweed@gmail.com

کوئی بھی فنکار اپنے گرد و پیش کے حالات اور اپنے زمانے کے انقلابات سے عوام سے زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ فنکاروں میں ردعمل، مزاحمت و بغاوت کے عناصر عام لوگوں کے مقابل زیادہ ہوتے ہیں۔ اکثر دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ ایک واقعہ یا سانحہ عام لوگوں پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالتا مگر فنکار کے لیے ایک شاہکار تخلیق کا محرک بن جاتا ہے۔ فنکار اپنے معاشرے کے مسائل و مصائب، ریاستی جبر اور دولت کی غیر مساوی تقسیم اور سماجی امتیازات وغیرہ سے اپنی ناآسودگی کا اظہار بطور مزاحمت اپنے فن پارے میں کرتا ہے۔ اس لیے کہ احتجاجی رویہ تو اس کی سرشت میں داخل ہوتا ہے بھلا وہ اس سے کس طرح مفر پا سکتا ہے۔

احتجاج عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی حجت، اعتراض اور انکار کے ہیں۔ دراصل احتجاج قانون یا نظام سے ناراضگی کا ردعمل ہوتا ہے۔ جب عدل و انصاف آنکھوں کے سامنے مٹتا ہوا دکھائی دے، جب بنی نوع انسان کے ساتھ ناروا اور غیر اخلاقی برتاؤ کیا جائے، جب انسانیت اور رواداری کی قدروں کو روندا جائے، جب کسی قانون کا نفاذ سب کے لیے یکساں اور مساوی نہ ہو، جب ظلم و ستم، جبر و استبداد سے کام لیا جائے، جب کوئی فیصلہ ملک کے مفاد کے خلاف کیا جائے یا کوئی قانون آئین کے خلاف وضع کیا جائے، ان حالات میں احتجاجی رویے کا پروان چڑھنا ناگزیر ہو جاتا ہے اور یہ احتجاج غداری نہیں ہے بلکہ یہ انسان کا بنیادی حق ہے۔ ظلم و ناانصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا سب کی ذمہ داری ہے بلکہ فرض ہے۔ آئین کے حدود میں رہ کر احتجاج کرنا بھی حب الوطنی ہے۔ اس لیے کہ جو وطن سے محبت کرتا ہے، وہ ملک کی بربادی کس طرح برداشت کر سکتا ہے۔ دراصل احتجاج بھی حب الوطنی کی علامت ہے۔ احتجاج کو کچلنے کی کوشش کی جائے تو یہ مزید تقویت پاتا ہے۔ ادبا و شعرا پابندیوں کے باوجود اظہار کے منفرد راستے تلاش کر لیتے ہیں۔ کبھی تو وہ علامتوں اور اشاروں کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی ذو معنی الفاظ کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کو بیان کرتے ہیں۔ اردو میں احتجاج زبان کے تشکیلی دور ہی سے نظر آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اعجاز حسین :

> ''اردو ادب میں احتجاج کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ ہمارے ادب میں احتجاج اس وقت شامل ہو گیا تھا جب سے زبان نے ادب کا درجہ اختیار کر لیا تھا۔ اتفاق سے اردو ادب کی ابتداء ایسے زمانے میں ہوئی جب ہندوستان انتشار اور سیاست کی بازی گاہ بنا ہوا تھا۔''

(ڈاکٹر اعجاز حسین۔ ادب اور ادیب۔ اسرار کریمی پریس الہ آباد۔ ۱۹۶۸ء۔ ص ۴۵۳)

جہاں تک اردو ادب کا تعلق ہے تو ہمیں احتجاج کی روایت دکن کی پانچ خود مختار سلطنتوں کے خاتمے پر نظر آتی ہے۔ جب شعرا ابوالحسن تاناشاہ کی موت پر مرثیوں کے ذریعے اظہار تاسف کرتے ہیں اور اورنگ زیب عالمگیر کے خلاف احتجاج بلند کرتے نظر آتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

شمالی ہندوستان میں واضح اور مستحکم احتجاجی ادب کے نقوش مغلیہ عہد کے شاعر جعفر زٹلی کے کلام میں نظر آتے ہیں۔ جعفر زٹلی کی پوری شاعری بغاوت، احتجاج اور انقلابی جذبوں سے لبریز ہے۔ غزلیں ہوں کہ نظمیں، فالنامے ہوں یا کہ ہجویات جعفر زٹلی تمام اصناف سخن میں اپنا تند و تیز اور شدت آمیز احتجاجی رویہ برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی مشہور زمانہ نظم ''دراختلاف زمانہ'' سے ایک اقتباس نقل کیا جارہا ہے تاکہ ان کے باغیانہ واحتجاجی رویوں کا اندازہ لگایا جاسکے:

گیا اخلاص عالم سے عجب یہ دور آیا ہے
ڈرے سب خلق ظالم سے عجب یہ دور آیا ہے
ہنرمندان ہرجائی پھریں در در یہ رسوائی
رذل قوموں کی بن آئی عجب یہ دور آیا ہے

اردو ادب کی تاریخ میں ریاستی جبر کے خلاف ایسا زبردست احتجاجی رویہ غالباً سب سے پہلے زٹلی کے یہاں نظر آتا ہے۔ جعفر زٹلی کو اس باغیانہ ہجو پر شہنشاہ فرخ سیر نے موت کا حکم دیا تھا۔

عہد محمد شاہی میں کئی ایہام گو شعرا نے اپنے عہد کے انحطاط، اخلاقی زوال اور سیاسی ابتری کے حوالے سے ایہام کے پردے میں اپنے زمانے کے فکری انتشار کی عکاسی کی ہے۔ شہر آشوب کا آغاز اسی دور میں ہوا۔ ہجو و شہر آشوب کی شاعری میں احتجاجی رویوں کی ترجمانی بکثرت ہوئی ہے۔ ہجویات کے شہنشاہ خواجہ محمد رفیع سودا کے شہر آشوب ''تضحیک روزگار''، دہلی کا کوتوال وغیرہ کا احتجاجی تصور ولہجہ قابل دید ہے۔ میر تقی میر کا مخمس در ہجو لشکر، در بیان کذب اور در مذمت دنیا وغیرہ احتجاجی رویوں کی عکاس ہیں۔ اٹھارویں صدی افراتفری اور ہندوستان کی اس تہذیب کا زوال تھا جس کو مغلوں نے پروان چڑھایا تھا۔ دلّی پر مسلسل حملے ہورہے تھے۔ نادرشاہ اور احمد شاہ ابدالی نے ظلم و جبر کی انتہا کردی تھی۔ ایسے حالات میں میر تقی میر، محمد رفیع سودا اور میر درد نے زمانے کے درد کو اپنا درد بنایا۔ انھوں نے انسانی قدروں کے زوال پر احتجاج کیا۔ شاہ حاتم نے بھی اپنے دور کے غریبوں اور مظلوموں کی حمایت کی ہے اور ان کی غربت اور ظالم کے مظالم پر احتجاج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

پوچھتا کوئی نہیں حال کسی کا اس وقت
ہے عدم دہر کی آنکھوں سے مروت کا نشاں
گرم ہے ظلم کا بازار خدا خیر کرے
کہیں مظلوم کے رونے سے نہ آئے طوفان

نظیر اکبرآبادی کی نظموں میں بھی احتجاجی رجحان کی عکاسی کی گئی ہے۔ نظیر نے میر و سودا کے احتجاجی موضوعات کو پہلی مرتبہ نظم کی ہیئت میں ڈھال کر ایک جدید اور منفرد روایت کی بنیاد ڈالی ہے۔ جرأت و سادگی، بیباکی اور مزاحیہ نشتریت کلام نظیر کے اہم اوصاف ہیں۔

اردو کا احتجاجی ادب صوفیائے کرام کا بھی مرہون منت ہے۔ اس لیے کہ اردو میں عوامی رجحانات کی ترجمانی اور احتجاج کے عناصر اور آزادیِ فکر کے نقوش تصوف کی بدولت ہی ہیں۔ اردو شاعری میں سماجی مسائل کی جھلک خانقاہوں کے اثرات کی وجہ سے نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر سید عبدالباری کے مطابق:

> ''اردو شعر و ادب میں تصوف کا رجحان تہذیبی روشنی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس رجحان نے ہندوستانی تہذیب کی قدروں کی دل ربا ترجمانی کی ہے۔ تصوف کی تحریک پر بھکتی کا گہرا عکس پڑا تھا۔ یہ تحریک دراصل مذہبی تنگ نظری کے خلاف احتجاج تھی۔

(ڈاکٹر سید عبدالباری۔ ہندوستانی تہذیب اور اردو۔ سرسید بک ڈپو علی گڈھ۔ ۱۹۹۷ء، ص ۲۴)

۱۸۵۷ء سے تو باقاعدہ بغاوت کا دور دورہ ہوا۔ انگریزوں کے مظالم بڑھ گئے اور ہر طرف افراتفری کا ماحول تھا۔ ان حالات کے اردو ادب پر غیر معمولی اثرات مرتسم ہوئے۔ خصوصاً دہلی سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ دہلی کی تاریخی تہذیب ٹوٹنے بکھرنے لگی۔ بہادر شاہ ظفر کہتے ہیں:

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں
قفس میں کیا فائدہ شور و غل سے
اسیرو! کرو کچھ رہائی کی باتیں

Scanned by CamScanner

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہندوستانی مسلمانوں نے بہت بڑی تعداد میں شرکت کی تھی۔ چنانچہ جنگ کے خاتمے کے بعد انگریزوں کے شعلۂ انتقام کا شکار سب سے زیادہ مسلمانوں ہی کو ہونا پڑا۔ صرف دہلی ہی میں ستائیس (۲۷) ہزار مسلمان تختہ دار پر چڑھا دیئے گئے تھے۔ غالبؔ کہتے ہیں:

شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک
تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا

ہندوستان کو انگریزی حکومت سے آزاد کرانے میں ہند کی سبھی زبانوں نے اپنے اپنے طور پر کوششیں کیں۔ اس طرح ملک کی ایک نمائندہ زبان کی حیثیت سے اردو زبان نے حصولِ آزادی کے لیے مسلسل جدوجہد کی اس تحریک میں قابل فخر کردار ادا کیا۔ اہلیان وطن کو غلامی کی ذلت سے آزادی کی ترغیب دی بلکہ پوری تحریک میں مجاہدوں کی رہنمائی کی ذمہ داری سرانجام دی۔ اتحاد و اتفاق کا درس دیا۔ برطانوی حکومت کے خلاف احتجاج بلند کرنے کا حوصلہ بخشا اور دلوں کو گرمانے والا نعرہ ''انقلاب زندہ باد'' دیا۔ شاعروں اور ادیبوں نے نہ صرف اپنی تخلیقات کے ذریعے آزادی کی تحریک میں روح پھونکی بلکہ عملی طور پر اس تحریک سے وابستہ رہے۔ ۱۸۵۷ء سے لے کر آزادی تک اہلیان ہندوستان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے جرم میں متعدد ادیبوں اور شاعروں کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ اس زمانے میں حب الوطنی اور وطن پروری کے جذبات کی سب سے زیادہ ترجمانی خواجہ الطاف حسین حالیؔ اور آزادؔ کے کلام میں نظر آتی ہے۔ ان لوگوں نے وطن پرستی کے ذکر کے ساتھ اہل ملک میں قوم پرستی کے جذبات بیدار کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ حالیؔ کی نظر میں اتحاد و اتفاق کی کمی نے ملک کو انتہائی خراب حالت میں پہنچا دیا ہے:

ہند میں اتفاق ہوتا اگر
کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیونکر
قوم جب اتفاق کھو بیٹھی
اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی

انگریزوں کی ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی پالیسی سے حالیؔ بخوبی واقف تھے۔ ان کی اس چال پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح
واں پاؤں جمانے کے لئے تفرقہ ڈالو

حالیؔ کے علاوہ آزادؔ کا کلام بھی حب الوطنی کے جذبات سے سرشار نظر آتا ہے۔ سرورؔ جہاں آبادی نے اہل ہند کو خواب غفلت سے بیدار کر کے ان میں جذبۂ حریت پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے:

خواب گراں سے چونکو ہندوستان والو
پستی میں کیوں پڑے ہو اونچے نشان والو
کب تک یہ آہ ذلت و عزوشان والو
کب تک یہ خواب غفلت سونے کی کان والو

ملک سے والہانہ وابستگی کا اظہار اکبرالہ آبادی کے کلام میں بھی جابجا نظر آتا ہے۔ انھوں نے طنز و ظرافت کا سہارا لے کر اہل وطن کو غلامی سے نجات حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ کتنے پُر درد لہجے میں احتجاج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

انقلاب دہر دیکھو بن گیا آقا غلام
قصر کا مالک جو تھا اب اس کا درباں ہوگیا

چکبستؔ کی شاعری کا ایک اہم جزو ان کی قومی اور وطنی شاعری ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں کے ذریعے ہندوستانیوں کے قومیت اور وطنیت کے جذبات کو جلا بخشی ہے۔ وہ ہوم رول تحریک کے حامی تھے اور اس تحریک کو تقویت پہنچانے کے لیے انھوں نے اپنی شاعری کا استعمال کیا۔ کہتے ہیں:

پہنانے والے اگر بیڑیاں پہنائیں گے
خوشی سے قید کے گوشے کو ہم بسائیں گے
جو منتری درِ زنداں کے سو بھی جائیں گے
یہ راگ گا کے انھیں نیند سے جگائیں گے
طلب فضول ہے کانٹوں کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

Scanned by CamScanner

علامہ اقبالؔ نے بھی اہل وطن کو حب الوطنی کی طرف مائل کیا۔ ملک کی سیاسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے انھوں نے اہل وطن کو آنے والی مصیبت سے خبردار کر دیا تھا:

وطن کی فکر کرنا واں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اردو کی سیاسی شاعری کو اپنے انقلابی نغموں سے نئی سمت دینے والے شاعر جوشؔ ملیح آبادی نے اہل ملک کے حوصلوں کو بلند کیا اور ان میں جوش وخروش پیدا کیا۔ اپنی نظموں سے انھوں نے انگریزوں کی متعدد پالیسیوں کی مخالفت کی اور اس کے خلاف نظمیں لکھیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہو:

کام ہے میرا تغیر نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب
پست سے پست ہو جو چیز وہ بن جا لیکن
مر کے بھی جنس غلامی کا خریدار نہ بن

ظفر علی خاں نے بھی اپنے کلام کے ذریعے انگریزوں کے خلاف احتجاج بلند کیا اور اہل وطن کو آزادی کی کھلی فضا میں سانس لینے کا جذبہ فراہم کیا۔ جلیان والا باغ کے واقعہ پر انھوں نے دو نظمیں لکھیں۔ ایک ''مظالم پنجاب'' اور دوسری ''جنرل ڈائر کی یاد میں'' شعر ملاحظہ ہو:

ہلاکو کو عبث تاریخ میں بدنام کرتے ہیں
بیچارے نے نہتے پر دیا کب حکم فائر کا

۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے نفاذ پر انھوں نے کہا:

کاغذی گھوڑا دیا ہم کو سواری کے لئے
اک کھلونا بھیج کے بچوں کا دل بہلا دیا

تحریک آزادی کے علم بردار شعرا میں ایک نمایاں نام حسرتؔ موہانی کا ہے۔ انہوں نے عملی طور پر بھی جنگ آزادی میں شرکت کی اور قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ان کی ایک خوبی یہ ہے کہ انہوں نے براہِ راست احتجاجی رویہ نہیں اپنایا بلکہ رمز وایما کے ذریعے اہل وطن میں آزادی کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی:

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی
جو چاہو سزا دے لو کچھ اور بھی کھل کھیلو
پر ہم سے قسم لے لو کی ہو جو شکایت بھی

محمد علی جوہر نے بھی اپنی شاعری سے غلامی کے بندھنوں کو توڑنے کے لیے اہل وطن کو جھنجھوڑ کر جگایا ہے۔ برطانوی ارباب اقتدار کو للکارتے ہوئے کہتے ہیں:

نہیں پالا پڑا قاتل تجھے ہم سخت جانوں سے
ذرا ہم بھی تو دیکھیں تیری جلادی کہاں تک ہے
قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

عام طور پر جیل جانے کو معیوب سمجھا جاتا ہے عوام، پولس اور جیل کو اپنی عزت پر داغ تصور کرتی ہے لیکن محمد علی جوہرؔ قید کو فخر سمجھتے ہیں اور غلامی کو شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

قید ہے قید غلامی ، دو برس کی قید کیا
دیکھ کب ہو خاتمہ اس قید بے میعاد کا

رومان پرست شاعر اخترؔ شیرانی نے بھی سیاسی نظمیں لکھی ہیں۔ یہ بات عیاں ہے کہ اخترؔ شیرانی کی تمام کائنات حسن وعشق ہے جس پر وہ اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں لیکن آزادی کے آگے حسن وعشق کو بے معنی سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں:

عشق و آزادی بہارِ زیست کا عنوان ہے
عشق میری جان آزادی مرا ایمان ہے
عشق پر کردوں فدا میں اپنی ساری زندگی
لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے

اقبال سہیلؔ کا کلام بھی احساس غلامی کے جذبات سے پُر ہے:

خیال ان کے، سخن میرا، زباں ان کی، دہن میرا
بہار ان کی، چمن میرا، گل ان کے، گلستاں میرا

Scanned by CamScanner

وہ کہتے ہیں یہ جلوے سب ہیں ایجاداتِ مغرب کے
دلِ مظلوم کہتا ہے شرر میرے، دھواں میرا

سیماب اکبرآبادی قومی اور وطنی شاعری کے خالق میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے نظموں کے علاوہ غزلوں میں بھی سیاسی اور سماجی مسائل پیش کیا ہے:

غفلت میں سونے والوں کی میں نیند اڑانے آیا ہوں
دنیا کو جگا کر چھوڑوں گا دنیا کو جگانے آیا ہوں

جگر مرادآبادی خالص غزل کے شاعر تھے۔ مگر انھوں نے بھی اہل وطن کو غلامی سے آزاد ہونے کی ترغیب دی ہے:

ناز جس خاک وطن پر تھا مجھے آہ جگر
اسی جنت پہ جہنم کا گماں ہوتا ہے

ان شعرا کے علاوہ عبدالمجید سالک، تلوک چند محروم، برج نارائن چکبست، نکہت شاہ جہاں پوری، کوکب شادمانی، محمود اسرائیلی، رام پرساد بسمل وغیرہ کے یہاں احتجاجی رویہ نظر آتا ہے۔

اہل وطن میں وطنیت اور قومیت کے جذبات کو پروان چڑھانے میں اردو صحافت نے ناقابل فراموش اور بے مثال کردار ادا کیا ہے۔ اردو کے بیشتر اخبارات نے بڑے جرأت مندانہ اور بے باکانہ انداز میں برطانوی حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا۔ ''دہلی اردو اخبار'' کے ذریعے حکومت وقت کے خلاف سرگرم پروپیگنڈہ کرنے اور انقلابیوں کو حوصلہ بخشنے کی پاداش میں آغا محمد باقر کو انگریزوں نے گولی مار دی۔ باغیانہ مضامین شائع کرنے کے جرم میں ''صادق الاخبار'' کے مدیر مولوی جمیل الدین کی جائیداد ضبط کر لی گئی اور تین سال کے لیے انھیں مقید بھی کیا گیا۔ ''گلشن بہار'' کے پریس کو ضبط کر لیا گیا۔ تحریک آزادی کو پروان چڑھانے والے اردو اخبارات ورسائل کی ایک طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔

برطانوی حکومت کے ظلم و جبر اور تشدد کے ردِعمل میں اردو میں بہت سے ناول بھی معرضِ وجود میں آئے۔ ان میں پہلا احتجاجی ناول نگار منشی پریم چند ہیں، جنھوں نے اپنے ناولوں خصوصاً: گوشۂ عافیت، چوگانِ ہستی، میدانِ عمل اور گئودان کے ذریعہ حکومت برطانیہ کے ظلم وستم اور جبر واستبداد کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ پریم چند کے بعد سجاد ظہیر، کرشن چندر، عزیز احمد اور عصمت چغتائی کے نام خصوصیت سے لیے جاسکتے ہیں۔ اردو ناولوں نے عوام کو محکومی اور غلامی کا احساس دلا کر ان میں خوابیدہ حریت کی آرزوؤں کو ابھارنے کی کوشش کی۔ تحریک آزادی کا دور ناولوں سے زیادہ افسانوں کا دور تھا اور اردو افسانہ نگاروں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جن کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ احتجاج کی تیزلے ''انگارے'' کی اشاعت سے ہوئی۔ سجاد ظہیر کے ''انگارے'' کو حکومت نے ضبط کر لیا۔ پریم چند کے افسانوی مجموعے ''سوز وطن'' کی بھی تمام کاپیاں غیر ملکی حکمرانوں نے ضبط کر کے نذر آتش کر دیں۔ بہت سے افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں کے ذریعے تحریک آزادی کو جلا بخشی۔ ان تمام کا ذکر مقالے کی طوالت کا باعث ہوگا۔

اردو ادب میں احتجاج کا باقاعدہ اور باضابطہ رجحان ہمیں ترقی پسند تحریک کے دور میں نظر آتا ہے۔ ملک کی آزادی کے لیے ترقی پسندوں کی قربانیوں اور احتجاج کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کل ہند کانفرنس میں مولانا حسرت موہانی نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ :

> ''ہمارے ادب کو قومی آزادی کی تحریک کی ترجمانی کرنی چاہئے۔ اسے سامراجیوں اور ظلم کرنے والے امیروں کی مخالفت کرنی چاہئے۔''

(اردو ادب میں ترقی پسند تحریک۔ خلیل الرحمٰن اعظمی۔ ص ۴۶)

ترقی پسند تحریک کے بنیادگزار سجاد ظہیر نے مختلف فنکاروں کے احتجاجی افسانے منتخب کر کے ''انگارے'' کے نام سے شائع کیا۔ ''انگارے'' ادب میں انقلاب آفریں ثابت ہوا۔ اس کے لکھنے والوں نے پراگندہ معاشرتی رویوں کے خلاف احتجاج کیا اور معاشرے میں بعض روایتوں کے پس منظر میں جو استحصالی فضا تھی اسے سامنے لایا بلکہ معاصر معاشرتی رویوں کو زد میں لینا ہی انگارے کے مصنفین کا مقصد بھی تھا۔ اسی مقصد کے حصول نے انھیں جارح بنایا تھا۔ ان مصنفین نے سماج کی منفی صورتوں پر باغیانہ تیور میں حملہ کیا۔

Scanned by CamScanner

آزادی کے جذبات بیدار کرنے میں ترقی پسند شعرا کی آواز بھی بلند رہی۔ ان ہی شاعروں میں خالص احتجاج کا رویہ رکھنے والوں میں ایک نمایاں نام علی سردار جعفری کا ہے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ظلم و جبر اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جنگ کرنے میں بسر ہوا۔ آزادی سے قبل وہ برطانوی استعمار کے خلاف برسر پیکار تھے۔ آزادی کے بعد بھی انھوں نے ظلم و جبر کے خلاف اپنی جنگ جاری رکھی۔ حق گوئی اور صداقت کی راہوں پر چلنے کی وجہ سے جعفری کو کئی بار قید و بند کی سزائیں جھیلنی پڑیں:

جانتے ہو ہماری نگاہوں میں تم کون ہو/ عصر حاضر کے فرعون ہو/ تم وہ قاتل ہو گردن پہ جن کی/ ایک دو کا نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں کا خون ہے/ تم وہ پاپی ہو کہ پاپ بھی شرم سے سرنگوں ہے/ ہم کو اپنی غلامی گوارا نہیں ہے/ ایک بھی ذرہ اس ملک میں تمہارا نہیں ہے/ بھاگو بھاگو

''ایشیا جاگ اٹھا'' جعفری کی صرف طویل نظم ہی نہیں بلکہ ایک ایسا دستاویز ہے جس میں برطانوی سامراج اور سرمایہ دار طبقہ کے مظالم و جبر کی داستان اور ایشیا والوں کے صبر و استقلال اور اپنے وطن سے محبت اور ان کی غربت و جہالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس نظم کے متعلق محمد حسین پرکار کی رائے بہت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''سردار جعفری کی یہ نظم اپنے اندر کئی رنگ لئے ہوئے ہے۔ حرف اول میں وہ احتجاجی شکل لئے ہوئے ہے اور نعرہ بن کر سامنے آئی ہے۔ اس کے بعد کا حصہ بیانیہ ہونے کے باوجود ایشیائی تہذیب کی غنائیہ تاریخ ہے۔ آگے جا کر وہ تحریک آزادی کا راگ بن جاتی ہے اور رزمیہ کا روپ دھار لیتی ہے اور آخری حصے میں وہ محنت کشوں کی محنت کا ثمرہ ملنے کا گیت بن جاتی ہے اور اپنے ساتھ اہل ایشیا کو لے کر منزل کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے نوید صبح نو میں کھو جاتی ہے۔''

(علی سردار جعفری: مرتب، پروفیسر عبدالستار دلوی۔ ص ۳۱۶)

دکن کا شعلہ نوا انقلابی شاعر مخدوم محی الدین نے اپنے کلام کے ذریعہ لوگوں میں حریت کے جذبات کو پروان چڑھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

کیا میں اس رزم کا خاموش تماشائی بنوں
کیا میں جنت کو جہنم کے حوالے کردوں
کیا مجاہد نہ بنوں
کیا میں تلوار اٹھاؤں نہ وطن کی خاطر

مخدوم نے کئی انقلابی نظمیں تحریر کیں ان میں سے ''گل تر'' میں شامل ان کی مشہور نظم ''چاند تاروں کا بن'' بھی اپنے لہجے، انداز، کھردرے پن کی وجہ سے بغاوت و مزاحمت سے قریب ہوگئی ہے۔ مخدوم کی یہ نظم ہندوستان کی پوری تاریخ کو عہد غلامی سے لے کر آزادی تک کو علامتی انداز میں پیش کر رہی ہے۔ اس نظم کا آخری بند ملاحظہ ہو:

رات کی چھٹیں ہیں اندھیرا ابھی ہے/ صبح کا کچھ اجالا بھی ہے/ ہمدمو/ ہاتھ میں ہاتھ دو/ سوئے منزل چلو/ منزلیں پیار کی/ منزلیں دار کی/ کوئے دلدار کی منزلیں/ دوش پر اپنی اپنی صلیبیں اٹھائے چلو

مخدوم کے بیشتر کلام میں انقلاب کی نوید، تابناک مستقبل کی تعمیر کا خواب، ظلم و جبر کے خلاف جنگ اور غربت و جہالت کے خاتمہ کا جذبہ پورے آب و تاب سے سایہ فگن نظر آتا ہے۔ مخدوم شاعر انقلاب کی حیثیت سے ہماری ادبی تاریخ کا ایک تابندہ ستارہ ہے۔

فیض احمد فیض کی شاعری نے اردو زبان و ادب کو نئے اسلوب اور سیاسی پس منظر سے آشنائی عطا کی۔ فیض کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے غزل جیسی نازک و لطیف صنف سخن کو احتجاج و مزاحمت کا ہنر عطا کیا۔ اردو کی احتجاجی شاعری میں فیض نے اہم اضافے کیے ہیں۔ ایک ایسا احتجاجی لہجہ انھوں نے تخلیق کیا ہے جس میں رومانیت و بغاوت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ فیض کے یہاں غزل کے روایتی کردار اور الفاظ مثلاً رقیب، چمن، زلف، قفس، گل و بلبل وغیرہ احتجاجی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ آزادی اظہار پر پابندی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خون دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

Scanned by CamScanner

فیضؔ کی نظم ''زنداں کی ایک شام'' اور ''زنداں کی ایک صبح'' بہت مشہور ہے۔ ان دونوں نظموں کا تیور و آہنگ احتجاج ہے۔ بلکہ فیضؔ کے دو مجموعے ''دست صبا'' اور ''زنداں نامہ'' میں خطیبانہ آہنگ اور احتجاجی لہجہ بہت بلند و بالا ہے۔ فیضؔ نے ان میں سیاسی جبر اور ریاستی ظلم کو چیلنج کیا ہے۔

''ہم دیکھیں گے'' فیضؔ کی ایک مشہور نظم ہے جس میں احتجاجی رویہ اپنے عروج تک پہنچ گیا ہے۔ اردو کے احتجاجی ادب کی بہترین نظموں میں سرفہرست نظر آتی ہے۔ ان کی ایک اور نظم جو احتجاجی رویہ رکھتی ہے، بہت مشہور ہوئی ہے ''نثار میں تیری گلیوں میں''۔

کلاسیکی روایتی شاعری کی علامتوں، استعاروں اور لفظیات میں معمولی تبدیلی کر کے مجروحؔ نے معاصر سیاسی و سماجی منظرناموں سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ مجروحؔ نے فیضؔ اور حسرتؔ کی قائم کردہ غزل کی روایت کو استحکام و اعتبار عطا کیا ہے۔ سیاسی موضوعات کو انھوں نے اپنی غزلوں میں اتنی مہارت سے پیش کیا ہے کہ غزلوں کے فنی محاسن پر کوئی حرف نہیں آیا ہے۔ جیل سے رہائی کے بعد بھی مجروحؔ کے کلام میں زندانی لفظیات، زنداں، صیاد، قفس جیسے استعاروں کا استعمال برقرار رہا اور مجروحؔ کے لہجہ و آہنگ میں احتجاج و بغاوت کی لہر رہائی کے بعد اور تیز و بلند ہو گئی تھی۔ یہاں مجروحؔ کے چند اشعار نقل کیے جا رہے ہیں:

سر پر ہوائے ظلم چلے، سو جتن کے ساتھ
اپنی کلاہ کج ہے اسی بانکپن کے ساتھ
کس نے کہا کہ ٹوٹ گیا خنجر فرنگ
سینے پہ زخم نو بھی ہے داغ کہن کے ساتھ

حبیب جالبؔ بھی ترقی پسند شاعروں میں احتجاجی رجحان کی وجہ سے مقبولیت رکھتے ہیں۔ ان کی بہت ساری نظمیں احتجاجی ادب کا گراں قدر سرمایہ ہے۔ ضیاء الحق کے مارشل لا پر انھوں نے ضیاء الحق کی سرکار پر اپنی تخلیقات کے ذریعہ احتجاج بلند کیا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ان کی ایک مشہور زمانہ نظم ''دستور'' جو مارشل لا کے خلاف لکھی گئی تھی بیحد مقبول ہوئی۔

جاں نثار اخترؔ نے بھی اپنی شاعری کے ذریعہ مجاہدین آزادی کی حوصلہ افزائی کی خاطر انقلابی اور احتجاجی نظمیں لکھی ہیں۔ ان نظموں میں ''میں ان کے گیت گاتا ہوں''، ''ساقی''، ''سویرا''، ''اے ہمریان قافلہ''، ''ابھی نہیں''، ''گاندھی جناح کی ملاقات پر''، ''کرن'' اور ''ہم ایک ہیں'' وغیرہ نظموں میں اپنے سیاسی نظریے کی ترجمانی کی ہے۔

ترقی پسند شاعر جنھوں نے احتجاجی شاعری کی ہے، ان میں کیفی اعظمی، ساحرؔ لدھیانوی، فراقؔ گورکھپوری، ساغرؔ نظامی، سلام مچھلی شہری، جمیل مظہری، سکندر علی وجدؔ، الطاف مشہدی، آنند نرائن ملا، وقار انبالوی، غازی کابلی وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔ ساحرؔ کا شعر دیکھئے:

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا
تم نے جس خون کو مقتل میں دبانا چاہا
آج وہ کوچہ و بازار میں آ نکلا ہے

اردو شاعری میں احتجاج کی روایت کا ایک اہم حصہ مشاعرہ بھی ہے۔ مشاعروں میں شعرا نے انقلابی اور احتجاجی اشعار ہمیشہ ہی سے پیش کیے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ آج کل جو شعرا احتجاجی ادب مشاعروں میں پیش کر رہے ہیں ان کی فہرست کافی طویل ہے۔ مثال کے طور پر مشہور شاعر منور رانا کا شعر دیکھئے:

مرنا ہی مقدر ہے تو پھر لڑ کے مریں گے
خاموشی سے مرجانا مناسب نہیں ہوگا

☆☆☆

Scanned by CamScanner